

صبرا و شاتیلہ قتل عام

بیسویں صدی کے طلوعِ آفتاب تک، فلسطین میں یہودی موجودگی معمولی تھی: زرعی کبوترزیم کی بکھراؤ، چند شہری برادریاں، اور عبرانی کی تجدید جو زیادہ تر عبادت اور علم تک محدود تھی۔ منظرِ نامہ 1933ء کے ہاوارا (ٹرانسفر) معاہدے اور 1938ء کی ایویان کانفرنس سے بدلنا شروع ہوا، جنہوں نے بہت مختلف طریقوں سے—نازی کنٹرول یورپ سے یہودی ہجرت کو آسان بنایا۔ چند سالوں میں، ہجرت نے فلسطین میں یہودی آبادی کو کئی گنا بڑھا دیا، آبادیاتی توازن اور سرزمین کے سیاسی افق کو تبدیل کر دیا۔

1917ء کی بالفور اعلانیہ، جو بعد میں برطانوی منڈیٹ کی شقوں میں شامل ہوا، فلسطین میں “عبرانی قوم کے لیے قومی گھر قائم کرنے” کی حمایت کا وعدہ کیا، جبکہ—حاسم طور پر—یہ طے کیا کہ “موجودہ غیر یہودی برادریوں کے شہری اور مذہبی حقوق کو نقصان پہنچانے والا کوئی کام نہ کیا جائے”۔ تاہم، صہیونی تحریک کے ابتدائی دنوں سے، اس کی قیادت نے فتح اور *نوآبادی** کو ریاست کی طرف ضروری مراحل قرار دیا تھا۔ تھیوڈور ہرٹزل، خیمیم وائزمن، اور بعد میں ڈیوڈ بن گوریون جیسے مفکرین نے فلسطین میں یہودی ریاست ہونی چاہیے یا نہیں، کا بحث نہ کیا، بلکہ اسے پہلے سے آباد زمین میں محفوظ اور وسعت دینے کا طریقہ بحث کیا۔

مقامی آبادی—مسلمان، عیسائی اور یہودی ایک جیسے—کے لیے، نوآبادی منڈیٹ کے تحت بڑے پیمانے پر ہجرت کی نوید نے تشویش اور مزاحمت دونوں کو جنم دیا۔ 1930ء کی دہائی کے آخر کے عرب بغاوتیں اس خوف کو ظاہر کرتی تھیں کہ یورپی مظالم سے پناہ کے طور پر پیش کیا گیا کام، حقیقت میں، محرومی کا آلہ بن رہا تھا۔ عثمانی حکمرانی کے تحت متوازی برادریوں سے شروع ہونے والا عمل، برطانوی نگرانی کے تحت متنازع قومی منصوبوں میں تبدیل ہو رہا تھا۔

نکبہ

نومبر 1947ء میں، اقوام متحدہ کا تقسیم پلان (قرارداد 181) نے زمین کو دو ریاستوں میں تقسیم کرنے کا مشورہ دیا، فلسطین کے 56 فیصد کو یہودی آبادی کو تفویض کرتے ہوئے، جو اس وقت رہائشیوں کا تقریباً ایک تہائی تھی اور زمین کا تقریباً 7 فیصد مالک تھی۔ فلسطینی عرب اکثریت کے لیے، یہ سمجھوتہ سے کم اور بین الاقوامی حکم سے منظور شدہ محرومی سے زیادہ لگتا تھا۔

جب برادریوں کے درمیان خانہ جنگی چھڑ گئی اور برطانوی فوج واپس لوٹ گئی، تو صہیونی قوتیں اپنے تقویض شدہ علاقے کو محفوظ اور وسعت دینے کے لیے تیزی سے حرکت میں آئیں۔

1948ء تک، واقعات واپسی سے باہر تیز ہو گئے۔ صہیونی پیرامیٹری—خاص طور پر ارگون اور لمچی—نے عرب برادریوں اور برطانوی انتظامیہ کے خلاف لڑی جانے والی مسلح جدوجہد، کھلی بغاوت میں پھیل گئی۔ ان کے بم دھماکے اور قتل عام فلسطین سے کہیں دور پہنچ گئے؛ ایک حملہ توروم میں برطانوی سفارت خانے کو بھی نشانہ بنایا۔ تھکے مارے اور تشدد کو روکنے کی صلاحیت کم ہوتی جاتی، برطانیہ نے اپنا منڈیٹ چھوڑ دیا، فلسطین کا ناقابل حل مسئلہ نئے قائم اقوام متحدہ کو سونپ دیا۔

نتیجہ نمکبہ—”تباہی“—تھا، جس میں 700,000 سے زیادہ فلسطینی دھمکیوں اور تباہی کی منظم مہموں کے درمیان گھروں سے بے دخل یا بھاگ گئے۔ دیہاتی تباہ ہوئے، خاندان پڑوسی عرب ریاستوں میں بکھر گئے، اور قومی معاشرہ راتوں رات تقریباً ختم ہو گیا۔ اقوام متحدہ نے قرارداد 194 (دسمبر 1948ء) کے ذریعے ان کی مصیبت تسلیم کی، مہاجرین کے واپسی یا معاوضے کے حق کی تصدیق کی۔ تاہم، یہ وعدہ کبھی نافذ نہ کیا گیا۔ اس کی عدم نفاذ نے اسرائیل کو نئی سرحدوں کو مستحکم کرنے اور عرب میزبان ممالک کو مہاجرین کی موجودگی کو عارضی—ایک عارضی حالت جو ساڑھے سات دہائیوں سے جاری ہے—سمجھنے کی اجازت دی۔

فلسطینی Diaspora

1948ء کی تشدد نے بربادی اور جلا وطنی کا منظر چھوڑ دیا۔ لڑائی کے دوران 10,000 سے 15,000 فلسطینی مارے گئے جبکہ ہزاروں دیگر شہروں اور دیہاتوں کے گرنے پر ہونے والے قتل عام اور جبری بے دخلیوں میں زخمی ہوئے۔ معاصر تحقیق، بشمول مورخ ولید خالدی کی *All That Remains* میں تفصیلی دستاویزی، 400 سے زیادہ فلسطینی دیہاتوں کی تباہی کو ریکارڈ کرتی ہے، جن میں سے کچھ کو نقشے سے مکمل طور پر مٹا دیا گیا، ان کی ویرانیاں بعد میں نئے اسرائیلی آبادکاریوں یا یہودی نیشنل فنڈ کے لگائے گئے جنگلوں سے ڈھانپ دی گئیں تاکہ رہائش کے نشانات چھپائے جائیں۔

1949ء کے موسم گرما تک، مہاجرین کی آبادی تقریباً 750,000 ہو گئی، جن میں سے جنگ سے پہلے عرب آبادی 1.2 ملین تھی۔ خاندان لہروں میں بھاگے: پہلے ساحلی شہروں جیسے یافا، حیفا اور عکا سے؛ پھر گلی اور وسطی پہاڑیوں سے جب صہیونی ملیشیا—جو جلد ہی اسرائیل ڈیفنس فورسز (IDF) میں ضم ہو گئی—ڈالٹ پلان کے تحت پیش قدمی کر رہی تھیں، جو علاقوں کو خصمانہ یا اسٹریٹجک اہمیت کا قرار دے کر ان کی آبادی خالی کرنے کی اجازت دینے والا اسٹریٹجک نقشہ تھا۔

پڑوسی ممالک نے انسانی ریل نابرابر طریقے سے جذب کیا۔

- اردن نے سب سے بڑا حصہ لیا، تقریباً 350,000، جن میں سے بہت سے نے بعد میں اردنی شہریت حاصل کی۔
- غزہ، مصری انتظامیہ کے تحت، نے تقریباً 200,000 لیا، اس کی تنگ پٹی کو زمین پر سب سے گنجان علاقوں میں سے ایک بنا دیا۔
- لبنان نے تقریباً 100,000-120,000 لیا، جنہیں ٹیر، صیدون اور بیروت کے ارد گرد جلدی بنائے گئے کیمپوں میں رکھا گیا۔
- شام نے 80,000-90,000 قبول کیا، اور انہیں دمشق اور حلب کے ارد گرد دوبارہ آباد کیا۔ چھوٹی تعداد عراق اور مصر اصلی تک پہنچی، اگرچہ یہ مہاجرین اکثر استحکام اور کام کی تلاش میں دوبارہ منتقل ہو جاتے تھے۔

اقوام متحدہ نے 1949ء میں پالسٹائن رفوجیز کے لیے اقوام متحدہ کی ریلیف اینڈ ورکس ایجنسی (UNRWA) قائم کی تاکہ خوراک، رہائش اور تعلیم فراہم کی جائے۔ تاہم، ایجنسی کا اینڈیٹ۔ جو واپسی کے انتظار میں عارضی انسانی اقدام کے طور پر متعین تھا۔ وائی limbo کا سہارا بن گیا۔ جبکہ قرارداد 194 نے مہاجرین کے واپسی کے حق کو تسلیم کیا، نہ تو بین الاقوامی برادری اور نہ ہی نیا اسرائیلی ریاست نے اس کی عمل درآمد کے لیے اقدامات کیے۔ عرب میزبان ریاستیں، اسی قرارداد کا حوالہ دیتے ہوئے، شہریت دینے سے انکار کر دیا، اصرار کرتے ہوئے کہ یہ اسرائیل کی جلاوطنوں کی واپسی سے انکار کو جائز قرار دے گا۔ اس طرح، شروع سے ہی، 1948ء کے مہاجرین دو نفیوں کے درمیان پھنس گئے: واپسی کی نفی اور تعلق کی نفی۔

لبنان میں فلسطینی مہاجرین

لبنان، فلسطین کا سب سے چھوٹا پڑوسی، اپنے سائز اور نازک سماجی ساخت کے مقابلے میں بہت بڑا بوجھ اٹھا رہا تھا۔ جب 1948ء میں پہلی لہریں اس کی جنوبی سرحد پار کیں، تو وہ تھکے تھکے پہنچے، اکثر سپیدل یا گدھوں پر، صرف اپنے گھروں کی چابیاں اور کھوئی ہوئی جائیدادوں کے دستاویزات لے کر۔ 1948ء اور 1949ء کے درمیان تقریباً 100,000 سے 120,000 فلسطینی لبنان میں داخل ہوئے۔ جنگ سے پیدا ہونے والی کل مہاجرین آبادی کا تقریباً چھٹا حصہ۔ نئی قائم اقوام متحدہ کی ریلیف ایجنسی (UNRWA) نے 1952ء تک ان میں سے 127,000 کو رجسٹر کیا، خاندانوں کو ٹیر، صیدون، طرابلس اور بیروت کے مضافات کے قریب عارضی کیمپوں میں آباد کیا۔

لبنان کی مہمان نوازی اس کی اپنی مذہبی توازن۔ مارونائی عیسائیوں، سنی اور شیعہ مسلمانوں، اور دروزوں کے درمیان طاقت کا نازک تقسیم۔ اور یہ idespread خوف سے تشکیل دی گئی کہ دس ہزاروں زیادہ تر سنی مہاجرین کو شہریت دینا اس توازن کو

بگاڑ دے گا۔ اردن کے برعکس، جس نے بعد میں بہت سے فلسطینیوں کو شہریت دی، لبنان نے انہیں بے وطن رکھا، رہائش تو دی مگر قومیت نہ دی۔ انہیں مہمان کا لیبل لگایا گیا، ایک اصطلاح جو عارضی تحفظ اور سیاسی اخراج دونوں کا اشارہ دیتی تھی۔

شروع میں، مہاجرین کیچڑ بھری جگہوں پر لگائے گئے خیموں میں رہتے تھے، UNRWA کے راشن اور ایمر جنسی امداد پر منحصر۔ وقت کے ساتھ، خیمے زنک چھتوں والی جھونپڑیوں میں تبدیل ہوئے، اور بعد میں کنکریٹ کی جھونپڑیوں میں، مگر ان کی قانونی عارضی پن کو ڈشده رہی۔ قانون کے مطابق، فلسطینیوں کو جائیداد کا مالک بننے، ٹریڈ یونینز میں شمولیت یا ساٹھ ستر سے زیادہ پیشوں میں کام کرنے سے روک دیا گیا، بشمول طب، قانون اور انجینئرنگ۔ کیمپوں اور شہروں کے درمیان نقل و حرکت کے لیے اجازت نامے درکار تھے؛ تعلیم اور صحت کی سہولیات تک رسائی ہمیشہ کم فنڈڈ UNRWA نظام پر منحصر تھی۔

آخر کار بارہ سرکاری کیمپ بنے، صیدون کے قریب عین الحلوہ۔ اب لبنان کا سب سے بڑا—سے لے کر بیروت کی شاتیلہ اور برج البراجنہ تک۔ جلد ہی گنجائیت حیران کن کثافتوں تک پہنچ گئی: شاتیلہ میں، 30,000 لوگ نصف مربع کلومیٹر سے کم میں رہتے تھے۔ بنیادی ڈھانچہ معمولی تھا؛ سیوریج اور پانی کے نظام سڑ رہے تھے؛ بجلی دن میں چند گھنٹوں کے لیے چمکتی تھی۔ تاہم، محرومی کے بیچ، کیمپ مزاحمت کے مقامات بھی بن گئے۔ اسکولوں، کلینکوں اور سیاسی تنظیموں کے ساتھ جو واپسی کے حق میں لنگر انداز اجتماعی شناخت کو برقرار رکھتی تھیں۔

لبنانی حکام، سیاسی ڈھانچے کے بڑے حصے کی حمایت سے، اصرار کرتے تھے کہ فلسطینیوں کی موجودگی عارضی ہے۔ یہ اصرار صرف آبادیاتی نہیں بلکہ نظریاتی تھا: مہاجرین کو ضم کرنا، کہا جاتا تھا، ان کی وطن واپسی کے دعوے کو خود ہی تحلیل کر دے گا۔ نتیجتاً، لبنان میں فلسطینی جلا وطنی انسانی حالت اور سیاسی بیان دونوں بن گئی۔ عربی دنیا کی اس زخم کی مرئی گواہی جسے عرب دنیا نے کبھی قبل از وقت شفافہ دینے کی قسم کھائی تھی۔

واپسی کا حق

عقدوں تک، کیمپ نہ صرف جلا وطنی کی جغرافیہ تھیں بلکہ آہستہ جلنے والی اخلاقی ہنگامی صورتحال تھیں۔ تصور کریں نسلیں جو خیموں والی گلیوں میں پیدا ہوئیں جہاں آپ کے دادا دادی کا گھر صرف تکیے تلے رکھی چابی کی یاد میں موجود ہے۔ جہاں آپ کو، بار بار اور سرکاری طور پر، بتایا جاتا ہے کہ آپ کبھی تعلق نہیں رکھ سکتے۔ تیس سال سے زیادہ کے بعد جب واپسی کا حق کاغذی وعدہ رہا، اقوام متحدہ کی قراردادیں گونجتی رہیں مگر نافذ نہ ہوئیں، اور میزبان ریاستیں نقل مکانی کو عارضی انتظامی مسئلہ سمجھتی رہیں، لبنان کے بہت سے فلسطینیوں کو ایک تاریک حساب کا سامنا کرنا پڑا: کوئی شہریت، محدود کام، محدود تعلیم، اور زمین یا وقار واپس

لینے کا کوئی قانونی راستہ نہیں۔ غربت صرف مادی نہیں تھی؛ وہ قانونی تھی: قوانین اور پارلیسیوں سے پیدا اور تقویت شدہ حالت جو مستقل ہونے کو ناممکن بنا دیتی تھی۔

ایسی حالت کے کیسے شدت پسند بنانے کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ جب سفارتی علاج رک جائیں اور بین الاقوامی ادارے نفاذ فراہم کرنے میں ناکام ہو جائیں، تو عام لوگ اکثر اپنے ہاتھ پہنچنے والے آلات کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ پہلے منظم سیاست، اور پھر، کچھ کے لیے، مسلح مزاحمت۔ فلسطین لبریشن آرگنائزیشن (PLO) اور اس کے اجزائی گوریلا گروپوں کا ابھرنا اس محرومی کے پس منظر کے خلاف پڑھا جانا چاہیے۔ بہت سے مہاجرین کے لیے، ہتھیار اٹھانا کوئی تجریدی نظریہ نہ تھا بلکہ روزمرہ کی ذلت کا ٹھوس جواب تھا: بنیادی شہری اور معاشی حقوق کی نفی، سرحدوں کا مہربند کرنا، اور گھر کی آہستہ آہستہ مٹانا۔ 1948ء میں دیہاتوں کو تباہ ہوتے اور پڑوسیوں کو جلاوطن ہوتے دیکھنے والی آبادی نے، پھر دیکھا کہ بین الاقوامی نظام ان کے حقوق کو تسلیم کرتا ہے مگر نفاذ نہیں کرتا، تشدد توجہ، اثر اور۔ جیسا کہ المناک۔ تحفظ پیدا کرنے والا واحد زبان لگنے لگا۔

یہ انسانی منطق یہ بتاتی ہے کہ مسلح دھڑوں نے کیمپوں میں اور ان کے ارد گرد اڈے کیوں قائم کیے، وہاں سماجی خدمات کیوں منظم کیں، اور کیمپ وقت کے ساتھ کیوں ملیٹر انڈ ہونے۔ یہ اگلے نقصانات کو جائز نہیں ٹھہراتی۔ سرحد پار اسرائیلی سرحد پر گوریلا آپریشنز نے جوابی کارروائیوں کو دعوت دی جو زیادہ تر شہریوں پر پڑیں؛ اجتماعی سزائیں لبنانی خوف کو گہرا کر دیں اور سخت تر اقدامات کے لیے جواز فراہم کر دیں۔ خلاصہ یہ کہ طاقت کی طرف مائل ہونے نے ایک فیڈبک لوپ پیدا کی: بے وطنی اور ہاشیا پسندی نے مہاجرین کی آبادی کے حصوں کو ملی ٹنسی کی طرف دھکیلا؛ ملی ٹنسی نے فوجی جوابات اور سیاسی ڈی لیجٹیمائزیشن کو جنم دیا؛ ان جوابات نے مہاجرین کی خارج حالت کو مضبوط کیا۔

اس طرح دیکھا جائے تو، 1982ء کا حملہ۔ اور صبرا و شاتیلہ میں جو قتل عام آگے آیا۔ کوئی خود بخود ٹوٹ پھوٹ نہ تھی بلکہ ناکام حقوق، کاٹے ہوئے علاج اور بڑھتے ہوئے انتقامی چکروں سے جڑی ہوئی زنجیر کا تباہ کن اختتام تھا۔ اخلاقی پیچیدگی واضح ہے: وہ ریاست اور بین الاقوامی نظام جو کیمپوں کی limbo پیدا کرتے ہیں، وہ حالات پیدا کرنے کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں جن میں لوگ مزاحمت پر مجبور محسوس کرتے ہیں۔ مگر وہ مزاحمت جو تشدد کی شکل اختیار کرتی ہے، خاص طور پر جب شہریوں کو نشانہ بناتی ہے، نئی متاثرین پیدا کرتی ہے اور اخلاقی گہرائی کو وسیع کرتی ہے۔

مزاحمت کا حق

بین الاقوامی قانون خود ان انتخابات کو بعد میں جائز قرار دینے کے لیے کچھ بنیاد فراہم کرتا ہے۔ جینیوا کی چوتھی کنونشن اور 1977ء کے اضافی پروٹوکول I کے تحت، غیر ملکی قبضہ کے تحت رہنے والی آبادی کو اس قبضہ کے خلاف مزاحمت کا حق ہے۔ بعض حالات میں مسلح ذرائع سے شامل تاکہ ایسی مزاحمت شہریوں کو نشانہ بنانے کے خلاف پابندیوں کا احترام کرے۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 1960ء اور 1970ء کی دہائیوں میں بار بار اس اصول کی تصدیق کی، قراردادیں جاری کرتے ہوئے جو ”نوآبادیاتی اور غیر ملکی تسلط کے تحت لوگوں کی جدوجہد کی شریعت“ کو تسلیم کرتی تھیں تاکہ خود ارادیت کا حق استعمال کیا جائے۔

یہ شقیں براہ راست قبضہ کے بجائے جلاوطنی میں رہنے والے فلسطینیوں پر لاگو ہوتی ہیں یا نہیں، بحث طلب ہے۔ ان کی زمین اور گھر اسرائیلی ریاست کے کنٹرول میں رہے، مگر وہ خود پڑوسی علاقوں میں قید، واپسی سے محروم، اور مؤثر طور پر بے وطن تھے۔ بہت سے فلسطینی مفکرین اور قانون دانوں کے نزدیک، یہ جلاوطنی مزاحمت کے حق کو منسوخ نہ کرتی تھی؛ یہ صرف میدانِ جنگ کو منتقل کرتی تھی۔ ان کے خیال میں، مسلح مزاحمت کا حق ان لوگوں تک پھیلتا تھا جن کی قبضہ ان کے پیچھے سرحدوں کے پار آئی تھی۔ جبری بے دخلی، ناکہ بندی، اور مہاجرین کیمپوں پر خود فوجی چھاپوں کے ذریعے۔

عمل میں، یہ قانونی دلائل زندہ حقیقت کو بہت کم تبدیل کرتے تھے: اسرائیل لبنانی سرزمین سے تمام مسلح سرگرمی کو جارحیت سمجھتا تھا، جبکہ لبنان مہاجرین کے جنگجوؤں کو مہمان اور ذمہ داری دونوں سمجھتا تھا۔ نتیجہ ایک ریاست کے اندر ریاست تھی۔ جنوبی لبنان میں PLO کی نیم خود مختار موجودگی۔ جو کچھ فریقوں کی طرف سے برداشت کی جاتی تھی اور دوسروں کی طرف سے نفرت کی جاتی تھی۔ 1970ء کی دہائی کے آگے بڑھنے کے ساتھ، کیمپ نہ صرف محرومی کے نشان بنے بلکہ ایک پھیلتے ہوئے علاقائی تنازع کے محاذ بھی بن گئے۔

لبنان میں PLO

1960ء کی دہائی کے آخر تک، لبنان کے مہاجرین کیمپ جلاوطنی میں فلسطینی قومی تحریک کا مرکز بن چکے تھے۔ 1967ء کی چھ دن کی جنگ اور اسرائیل کی مغربی کنارے اور غزہ کی قبضہ کے بعد، فلسطینی مزاحمتی گروپ عرب دنیا میں بکھر گئے، ان کی جوردن، شام اور لبنان میں قیام ایک ٹرانس نیشنل جدوجہد کے نوڈل بن گئے۔

ستمبر 1970ء میں، اردنی بادشاہت نے کالا ستمبر کے نام سے مشہور خونریز خانہ جنگی کے بعد PLO کو نکال دیا۔ ہزاروں جنگجو سرحد پار شمال کی طرف لبنان بھاگ گئے، جہاں کیمپوں نے پناہ اور تیار بھرتیاں دونوں پیش کیں۔ یہ بہاؤ لبنان کے سیاسی

توازن کو تبدیل کر گیا۔ PLO نے متوازی انتظامیہ قائم کی۔ فلسطینی ریڈ کریسنٹ سوسائٹی کے ذریعے اسکولوں، ہسپتالوں اور فلاح و بہبود کے نظاموں کو چلاتے ہوئے، جبکہ فتح، پیپلز فرنٹ فار دی لبریشن آف فلسطین (PFLP)، اور ڈیموکریٹک فرنٹ فار دی لبریشن آف فلسطین (DFLP) جیسے مسلح بازوؤں کو منظم کرتے ہوئے۔

بہت سے مہاجرین کے لیے، PLO کی آبدبا اختیار کی علامت تھی: 1948ء کے بعد پہلی بار، فلسطینی صرف امداد کے وصول کنندہ نہ تھے بلکہ اپنی قسمت کے ایجنٹ تھے۔ تاہم، لبنان کے سیاسی ڈھانچے کے بڑے حصے کے لیے، یہ ریاست کے اندر ریاست لگتی تھی۔ شمالی اسرائیل میں سرحد پار چھاپوں نے انتقامی ہوائی حملوں کو دعوت دی جو لبنانی شہریوں کو مارنے اور بنیادی ڈھانچے کو تباہ کرنے والے تھے، جو جنگ کی میزبانی نہ کرنے والی برادریوں میں نفرت کو گہرا کر دیا۔

لبنانی ریاست اور PLO کے درمیان غیر مستحکم ہم آہنگی کو 1969ء کے قاہرہ معاہدے میں رسمی شکل دی گئی، جس میں مصر نے ثالثی کی۔ اس نے کیمپوں میں فلسطینیوں کو محدود خود مختاری اور اسرائیل کے خلاف مزاحمت کے مقصد سے ہتھیار رکھنے کا حق دیا۔ لبنانی سرزمین پر ایک بے مثال رعایت۔ ایک مدت کے لیے، یہ انتظام ایک نازک توازن برقرار رکھتا تھا: لبنانی فلسطینی معاملے سے یکجہتی کا دعویٰ کر سکتا تھا جبکہ مہاجرین کی فلاح و بہبود اور سلامتی کی ذمہ داری ڈال دیتا تھا۔

لیکن لبنان کی اپنی فرقہ وارانہ تناؤ بڑھنے کے ساتھ، انتظام بکھر گیا۔ PLO کی فوجی طاقت اور سیاسی اثر بڑھا، اسے لبنان کی 1975-1990ء کی خانہ جنگی میں بائیں بازو اور مسلم فریقوں سے جوڑ دیا، جبکہ دائیں بازو کیریسچن ملیشیا، خاص طور پر فلائنجسٹ، فلسطینیوں کو دونوں آبادیاتی خطرہ اور غیر ملکی فوج سمجھنے لگی۔ فلائنجسٹ اور PLO سے وابستہ قوتوں کے درمیان بیروت اور جنوب میں جھڑپیں پھوٹ پڑیں، محلات اور کیمپوں کو محاذوں میں تبدیل کر دیں۔

سرحد پار افراتفری دیکھتے ہوئے، اسرائیل نے لبنان کو نہ صرف سلامتی کی دھمکی بلکہ موقع سمجھنا شروع کر دیا۔ اسرائیلی قیادت نے PLO کو فوجی طور پر غیر مؤثر بنانے کی کوشش کی جبکہ مشترکہ دشمن رکھنے والی کیریسچن ملیشیا کے ساتھ اتحادوں کو فروغ دیا۔ 1970ء کی دہائی کے آخر سے، اسرائیل نے ساؤتھ لبنان آرمی (SLA) اور فلائنجسٹ موومنٹ کے عناصر کو ہتھیار، تربیت اور لاجسٹک سپورٹ فراہم کیا، مؤثر طور پر اپنی شمالی سرحد پر روکسی فورس تعمیر کی۔

مارچ 1978ء میں، PLO کے حملے پر جو اسرائیلی ساحلی شاہراہ پر 38 شہریوں کو مار دیا، اسرائیل نے لیٹانی آپریشن شروع کیا، لیٹانی دریا تک حملہ آور ہوا اور ایک ہزار سے زیادہ لبنانی اور فلسطینی شہریوں کو مار ڈالا۔ اگرچہ آپریشن کو انسداد ہشت گردی کے اقدام کے طور پر جواز دیا گیا، اس کا بنیادی مقصد PLO کو شمال کی طرف دھکیلنا اور SLA کی گشت زدیں بفر زون قائم کرنا

تھا۔ اقوام متحدہ کی عارضی فورس ان لبنان (UNIFIL) کا جواب میں تعیناتی ہوئی، مگر اس کا مینڈیٹ کمزور اور اس کی موجودگی زیادہ تر علامتی تھی۔

اگلے چند سالوں نے بڑھوتری کا چکر دیکھا: PLO کے حملے، اسرائیلی ہوائی حملے، انتقامی شیلنگ، اور دونوں فریقوں کی تدریجی جڑ پکڑ۔ 1981ء تک، اسرائیلی حکام نے سرحد پار فائرنگ سے سالانہ 200 سے زیادہ اسرائیلی ہلاکتوں کا دعویٰ کیا، جبکہ لبنانی شہر جواب میں باقاعدہ بمباری کا شکار ہوئے۔ اسی عرصے میں، ایریل شیروں، تب اسرائیلی وزیر دفاع، نے ایک وسیع تر منصوبہ سوچا۔ PLO کو فوجی طور پر کچلنا، لبنان سے نکالنا، اور بیروت میں دوستانہ کیریسیجن قیادت والا حکومت نصب کرنا۔

1982ء کا حملہ: گلیلیہ کے لیے امن آپریشن

6 جون 1982ء کو، اسرائیل نے کوڈنیم گلیلیہ کے لیے امن آپریشن کے تحت لبنان پر بڑے پیمانے پر حملہ کیا۔ سرکاری طور پر، بیان کردہ مقصد محدود تھا: سرحد پار راکٹ فائرنگ روکنے کے لیے فلسطینی گوریلا قوتوں کو سرحد سے 40 کلومیٹر شمال کی طرف دھکیلنا۔ حقیقت میں، آپریشن کا دائرہ دفاع انتہائی ایریل شیروں کی طرف سے بہت زیادہ جرات مندانہ طور پر کھینچا گیا اور وزیر اعظم مینا حیم بیگن کی طرف سے منظور کیا گیا۔ غیر اعلانیہ مقاصد میں PLO کی فوجی اور سیاسی انفراسٹرکچر کی تباہی، اس کی قیادت کا لبنان سے نکالنا، اور بیروت میں بشیر جمایل، مارونائی فلاحی رہنما کے تحت پرو اسرائیلی حکومت کی تنصیب شامل تھی۔

دھاوے کی پیمانہ نے اس کی حقیقی نیت کو ظاہر کر دیا۔ تقریباً 60,000 اسرائیلی فوجی، 800 ٹینکوں، زرہ پوش بریگیڈوں اور ہوائی اسکوادرز کی مدد سے، سرحد ساحل، وسطی پہاڑیوں اور مشرقی بقاع وادی کے ساتھ ہم آہنگ دھاووں میں پارکی۔ حملہ UNIFIL پوزیشنوں اور لبنانی دیہاتوں کو جلدی ہی گھیر لیا، دنوں میں 40 کلومیٹر کی حد سے کہیں آگے بڑھ گیا۔ 8 جون تک، اسرائیلی قوتیں ٹائمر اور صیدوں پر قبضہ کر چکی تھیں؛ 14 جون تک، بیروت خود گھیرے میں تھا۔ ایک شہر جس میں تقریباً ایک ملین شہری رہتے تھے، اب محاصرے میں۔

انسانی قیمت حیران کن تھی۔ لبنانی حکومت کے تخمینوں کے مطابق، جنگ کے ابتدائی مرحلے میں تقریباً 17,000-18,000 لوگ۔ غالب اکثریت شہری۔ مارے گئے، اور ہزاروں دیگر زخمی ہوئے۔ صیدوں اور مغربی بیروت کے پورے محلات مسلسل بمباری کے تحت چھپے ہو گئے۔ میدان میں صحافی، بشمول روبرٹ فسک اور توماس فرائیڈمین، نے اپو کلپٹک تباہی کی مناظر

یان کیے: موم بتیوں کی روشنی پر چلنے والے ہسپتال، گلیوں میں ڈھیر کیے گئے لاشیں، اور پانی کی تلاش میں سفید جھنڈے لہراتے بچے۔

بیروت کا محاصرہ

جون کے آخر تک، PLO کے باقی ماندہ جنگجو—تقریباً 11,000—مغربی بیروت میں مستحکم تھے، زمین، سمندر اور ہوا سے IDF سے گھرے ہوئے۔ محاصرہ تقریباً دس ہفتے چلا۔ اسرائیلی توپ خانہ اور ہوائی حملے گنجان آبادی والے علاقوں کو دن رات مار رہے تھے، بجلی، خوراک اور طبی سامان کاٹ رہے تھے۔ غزہ ہسپتال اور مکاسد جیسے ہسپتال مغلوب ہو گئے۔ ہلاکتوں کی تعداد روزانہ بڑھ رہی تھی۔ مغربی سفارت کاروں نے بمباری کو سٹائلنگرادی کی ناکہ بندی سے تشبیہ دی، نوٹ کرتے ہوئے کہ اسرائیل کی آگ کی طاقت ایک پھنسے ہوئے شہری آبادی کے خلاف ”مکمل طور پر غیر متناسب“ تھی۔

بین الاقوامی غم و غصہ بڑھ گیا۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے قرارداد 508 میں حملے کی مذمت کی، فوری جنگ بندی کا مطالبہ کیا۔ امریکی ایلیچی فلپ حبیب نے جنگ بندی کے لیے بے رحم مذاکرات کیے۔ ہفتوں کی دباؤ کے بعد، اگست 1982ء میں معاہدہ طے ہوا:

- PLO بیروت کو خالی کرے گا ملٹی نیشنل فورس (MNF) کی حفاظت میں جو امریکی، فرانسیسی اور اطالوی فوجوں پر مشتمل ہوگی۔

- اسرائیل اپنی پیش قدمی روک دے گا اور پچھے چھوڑے گئے شہریوں کی حفاظت کی ضمانت دے گا۔

- MNF منتقلی کی نگرانی اور انتقامات روکنے کے لیے عارضی طور پر رہے گا۔

21 اگست سے 1 ستمبر کے درمیان، تقریباً 14,400 PLO جنگجو اور ان کے خاندان بیروت سے تونس، شام اور دیگر عرب ریاستوں کے لیے روانہ ہوئے۔ بین الاقوامی نگرانی کے تحت ہونے والی انخلاء کو اس وقت سفارتی کامیابی قرار دیا گیا۔ محاصرے کا منظم خاتمہ جو لبنان کو آخر کار مستحکم کر سکتا تھا۔

لیکن امن خیالی ثابت ہوا۔ اسرائیل نے وعدہ کردہ بیروت کی حدود سے واپس نہ لیا؛ اس کی قوتیں شہر کے ارد گرد تیار رہیں۔ 14 ستمبر کو، صرف دنوں بعد جب آخری PLO قافلہ بندرگاہ سے روانہ ہوا، ایک بڑا دھماکہ مشرقی بیروت میں فلائجسٹ ہیڈ کوارٹر کو پھاڑ دیا، صدر منتخب بشیر جمایل کو مار ڈالا۔ اسرائیل کا مرکزی اتحادی اور شیروں کی جنگ بعد کی سیاسی ویشن کا

cornerstone- قتل، جسے شامی سوشل نیشنلسٹ پارٹی کے رکن سے منسوب کیا گیا، اسرائیل کے منصوبوں کو توڑ دیا اور لبنان کو دوبارہ افراتفری میں ڈبو دیا۔

صبرا و شاتیلہ قتل عام

جب اسرائیلی ٹینک مغربی بیروت میں 15 ستمبر 1982ء داخل ہوئے، تو صبرا محلہ اور ملحق شاتیلہ مہاجرین کیمپ اس علاقے میں تھے جسے انہوں نے جلدی سے سیل کر دیا تھا۔ یہ گنجان علاقے تھے، تخمینہ 20,000-30,000 شہریوں کا گھر، زیادہ تر فلسطینی مہاجرین اور غریب لبنانی شیعہ خاندان۔ آخری PLO جنگجو دو ہفتے پہلے شہر چھوڑ چکے تھے۔ جو باقی رہا وہ غیر مسلح شہری تھے۔ مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے۔ جو یقین رکھتے تھے کہ وہ امریکہ اور اسرائیل کی ضمانت شدہ جنگ بندی کے تحفظ میں ہیں۔

بشیر جمایل، فلا نجسٹ رہنما، کا قتل انتقام کا جواز فراہم کر دیا۔ 16 ستمبر کی دوپہر، وزیر دفاع ایریل شیروں اور چیف آف سٹاف رافائل ایٹان نے فلا نجسٹ کمانڈرز، بشمول الی ہو بیکا، سے اسرائیلی دفاعی قوتوں کے فارورڈ کمانڈ پوسٹ پر بیروت انٹرنیشنل ایئرپورٹ کے قریب ملاقات کی۔ فلا نجسٹ۔ اسرائیل کے قریبی اتحادی۔ کو کیمپوں میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی، ”دہشت گرد باقیات کو جڑ سے اکھاڑنے“ کے لیے۔ اسرائیلی افسران نے لاجسٹکس کو مربوط کیا، ٹرانسپورٹ فراہم کی، اور علاقے کو فوج اور زرہ پوش گاڑیوں سے گھیر لیا۔ انہوں نے راتوں بھر روشنی کی مچھلیاں بھی فائر کیں تاکہ ملیشیا کی کارروائیوں کو آسان بنایا جائے۔

اندروں داخل ہوتے ہی، فلا نجسٹ یونٹس نے بے دریغ قتل عام شروع کر دیا۔ اگلے چالیس گھنٹوں میں، جمہرات کی شام سے لے کر ہفتہ کی صبح تک، وہ گھر سے گھر گھومتے، پوری خاندانوں کو قتل کرتے، عورتوں پر حملہ کرتے، اور لاشوں کو بلڈوزر سے اجتماعی قبروں میں دھکیلتے۔ بہت سے متاثرین کو قریب سے گولی ماری گئی؛ دوسرے چھریوں یا ہاتھ کے بموں سے مارے گئے۔ زندہ بچ جانے والوں نے بعد میں لاشوں سے بھری سڑکیں اور ہوا کو بھرنے والی تعفن کی بو بیان کی۔

قلعہ بندی کے دوران، اسرائیلی فوجی کورڈونز کو کیمپوں کے ارد گرد برقرار رکھا، داخلہ اور اخراج کے نقاط کو کنٹرول کرتے ہوئے۔ چند گھنٹوں میں ہی، ریڈیو کے ذریعے ظلم کی رپورٹس اسرائیلی کمانڈروں تک پہنچ گئیں۔ انٹرنیشنل ریڈ کراس کے مبصرین اور قریبی علاقوں کے صحافیوں نے بھی IDF افسروں کو اجتماعی قتل عام کی خبر دی۔ تاہم، فوج نے مداخلت نہ کی۔

قتل عام تقریباً دوپوری راتیں جاری رہا جب تک ملیشیا کو آخر کار 18 ستمبر کی صبح 8 بجے بین الاقوامی غم و غصہ اور براہ راست امریکی احتجاج کے بعد باہر نہ نکالایا گیا۔

متاثرین اور شواہد

ہلاکتوں کی تعداد متنازع رہتی ہے مگر کسی بھی حساب میں خوفناک ہے۔

- انٹرنیشنل کمیٹی آف دی ریڈ کراس نے کم از کم 1,500 لاشیں واپس کی رپورٹ دی، کل ہلاکتیں 3,000 تک پہنچنے کی ممکنہ۔

- اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی تفتیش (1982) نے 2,750 سے 3,500 ہلاکوں کا تخمینہ لگایا۔

- اسرائیلی کاہن کمیشن نے 700-800 شناخت شدہ متاثرین کی تصدیق کی مگر تسلیم کیا کہ بہت سے اور ہلاک ہوئے۔

مردوں میں فلسطینی، لبنانی شیعہ، اور چند شامی۔ عملی طور پر سب شہری۔ شامل تھے۔

ذمہ داری اور شریکِ جرم

اگرچہ قتل عام فلائنگسٹ ملیشیا نے کیا، اسرائیلی کمانڈ سٹرکچر کی شمولیت آپریشن کو ممکن بنانے میں ناقابلِ تردید تھی۔ اسرائیلی قوتوں نے:

- اجازت دی فلائنگسٹوں کو کیمپوں میں داخل ہونے کی۔
- گھیرا علاقے، شہریوں کو بھاگنے سے روک دیا۔
- روشن کیا رات کا آسمان قاتلوں کی سہولت کے لیے۔
- رپورٹس حاصل کی اجتماعی قتل عام کی اور تقریباً دو دن تک کچھ نہ کیا۔

جب پہلے بین الاقوامی صحافی۔ بشمول روبرٹ فسک، لورین جینکمز، اور جینٹ لی سٹیونز۔ 18 ستمبر کو شاتیلہ میں داخل ہوئے، تو انہوں نے ایک خوابِ وحشت پایا: لاشوں سے بھرے گلیوں، بلڈوزر کی گڑھوں بھرپور لاشوں، اور صدمے میں گھومنے والے زندہ بچ جانے والوں۔ تصاویر نے عالمی شعور کو جلا دیا اور اسرائیل کے “گلیلیہ کے لیے امن” کے دعوے کو توڑ دیا۔

تحقیقات اور عالمی ردِ عمل

قتل عام نے فوری بین الاقوامی غم و غصہ پیدا کیا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی، قرارداد 37/123 (دسمبر 1982ء) میں، اسے “نسل کشی کا عمل” قرار دیا اور روکنے میں ناکامی پر اسرائیل کو ذمہ دار ٹھہرایا۔ اسرائیل میں خود، عوامی غصہ پہلے نہ دیکھا گیا سطح تک پہنچ گیا: تقریباً 400,000 لوگ—آبادی کا تقریباً دسواں حصہ—تل ابیب میں احتساب کا مطالبہ کرتے ہوئے مارچ کر رہے تھے۔

عوامی دباؤ کے تحت، اسرائیلی حکومت نے 1983ء میں کاہن انکوائری کمیشن قائم کیا۔ اس کے نتائج مذمتی تھے، اگرچہ احتیاط سے الفاظ چنے گئے۔ کمیشن نے فیصلہ کیا کہ:

- اسرائیل قتل عام کی “بالواسطہ ذمہ داری” اٹھاتا ہے۔
- ایریل شیروں “ذاتی طور پر ذمہ دار” تھا واضح خبردار کرنے کے باوجود خونریزی روکنے میں ناکام رہنے کے لیے۔
- دیگر سینئر افسران، بشمول رافائل ایتان، “ذاتی قصور” اٹھاتے ہیں۔

شیروں کو دفاع منتری کے عہدے سے استعفی دینا پڑا، اگرچہ وہ کابینہ میں رہے اور دو دہائیوں بعد وزیر اعظم بن گئے۔ کوئی اسرائیلی یا فلائنگسٹ افسر کبھی قتل عام کے لیے مجرمانہ مقدمے کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ 2001ء میں، زندہ بچ جانے والوں نے شیروں اور دیگر کے خلاف پیلجیٹم وار کرائم کیس کے ذریعے انصاف طلب کیا، مگر کیس 2003ء میں jurisdic کے بنیاد پر مسترد ہو گیا۔

ملٹی نیشنل فورس (MNF)—جس کی پچھلی واپسی نے کمیپوں کو بے دفاع چھوڑ دیا تھا—ستمبر 1982ء کے آخر میں بیروت واپس آئی، مگر اس کی موجودگی پہلے ہی ہو چکے کام کو واپس نہ لاسکی۔ مہینوں میں، نئی تشدد پھوٹ پڑی: امریکی اور فرانسیسی فوجوں پر خودکش بم دھماکے، مغربی قوتوں کی واپسی، اور لبنان کا گہرے افراتفری میں ڈوبنا۔ مغربی بیروت کی تباہیوں کے نیچے، صبرا و شاتیلہ کے زندہ بچ جانے والوں نے اپنے مردوں کو جلدی کھودی گئی اجتماعی قبروں میں دفنایا اور طویل، غیر مرئی سوگ کا کام شروع کیا۔

لبنان میں، صبرا و شاتیلہ نے فرقہ وارانہ زخموں کو گہرا کر دیا۔ کیریسچن ملیشیا کے لیے، اس نے جرم اور انتقام کی میراث کو مضبوط کیا؛ شیعہ اور فلسطینی برادریوں کے لیے، یہ مصیبت اور نا انصافی کا اکٹھا ہونے والا نشان بن گیا۔ خانہ جنگی مزید آٹھ سال چلی، تقریباً 150,000 ہلاک چھوڑ دی، جب تک طائف معاہدہ (1989ء) نے آخر کار ایک نازک امن بحال نہ کر دیا۔ تاہم، مہاجرین اس معاہدے کے قومی معاہدے سے خارج رہے، اب بھی شہریت یا جائیداد کے حقوق کے بغیر، اب بھی ان کمیپوں میں قید جو ان کے والدین اور دادا دادیوں کے گھر تھے۔

بین الاقوامی سطح پر، قتل عام نے سیاسی ارادے کی غیر موجودگی میں انسانی حقوق کے قانون کی حدود کو بے نقاب کر دیا۔ اقوام متحدہ کی قراردادیں، جنیوا کنونشنز، اور ابھرتا ہوا ”حفاظت کی ذمہ داری“ کا تصور سب نے ظلم روکنے کی ذمہ داریوں کا اعلان کیا، مگر کوئی بھی مؤثر نفاذ میں تبدیل نہ ہوا۔ 2000ء کی دہائی کے شروع میں نیلجیم وار کرائم کیس نے ذمہ داری کے سوال کو مختصر ا دوبارہ کھول دیا مگر آخر کار jurisdic reform سے محدود ہو گیا۔ آج تک، کوئی عدالت صبرا و شاتیلہ کے قتل عام کا فیصلہ نہ کر سکی۔

ثقافتی طور پر، قتل عام زخم اور آئینہ دونوں کے طور پر قائم ہے۔ فلموں جیسے ایری فولمین کی والٹز وڈ بشیر (2008) اسرائیلی فوجیوں کی شریک جرم کی پریشان یادیں تلاش کرتی ہیں؛ ادبی کام جیسے الیاس خوری کی گیٹ آف دی سن اور روبرٹ فسک کی پی ڈی نیشن انسانی تباہی کو جھلسانے والی قربت سے دستاویزی کرتے ہیں۔ فلسطینیوں کے لیے، ہر ستمبر کی سالگرہ کم یادگار اور زیادہ تسلسل کا رسم ہے۔ یاد دہانی کہ وہی بے وطنی جو 1982ء میں انہیں بے دفاع چھوڑ گئی، آج لبنان کے کیمپوں اور قبضہ شدہ علاقوں بھر قائم ہے۔

چار دہائیوں بعد، صبرا و شاتیلہ تاریخی واقعہ سے زیادہ ہے؛ یہ اخلاقی نشان ہے۔ یہ اناڑے شدہ نقل مکانی، نافذ نہ کی گئی وعدوں، نہ چیلنج شدہ بے جرمی کے نتائج سے مقابلہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ دکھاتا ہے کہ جب ایک پوری قوم سے قانونی تعلق چھین لیا جائے، تو تشدد کوئی انحراف نہ بلکہ اپنا وقت منتظر ناگزیر بن جاتا ہے۔

قتل عام کے زندہ بچ جانے والے اب بوڑھے ہو گئے، ان کی یادیں تاریخی ریکارڈ میں دھندلی ہو رہی ہیں، مگر ان کی گواہی ایک وارننگ کے طور پر قائم ہے۔ کہ بے وطنوں کے حقوق دنیا کی ضمیر کی پیمائش ہیں۔ آخر میں، صبرا و شاتیلہ صرف قتل عام کی کہانی نہیں ہے؛ یہ بیسویں صدی کے ادھورے سوال کی کہانی ہے: تاریخ خود کو دہرانے سے پہلے انصاف کو کتنا ملتوی کیا جا سکتا ہے؟

اختتام: جلا وطنی کی جغرافیہ

نکبہ اور صبرا و شاتیلہ الگ الگ المیے نہیں بلکہ ایک تسلسل کے ابواب ہیں۔ ایک ایسی تاریخ جس میں طاقت نے انسانوں کو غیر مرئی بنا دیا، اعلان شدہ مگر نافذ نہ کیے گئے قوانین، مسلح اور باری باری بھولی گئی یادیں۔ اس زنجیر کے ہر لمحے ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ناقابل تسلیم مصیبت نئی شکلیں اور نئی زمینوں پر خود کو دوبارہ پیدا کرتی ہے۔

انصاف کا وعدہ زیادہ تر زبانی رہا۔ تاہم، ان لوگوں کی استقامت جو یاد رکھتے ہیں—زندہ بچ جانے والے جو اب بھی غائب گھروں کی چابیاں رکھتے ہیں، بچے جو مہاجرین کیمپوں میں بڑے ہو رہے ہیں اب بھی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں—ایک ایسی چیز کی گواہی دیتے ہیں جو ناقابلِ تباہی ہے: مٹانے کو حتمی فیصلہ بننے نہ دینے کی نفی۔

اگر اس تاریخ میں کوئی سبق ہے، تو یہ ہے کہ محرومی پر قائم کوئی سلامتی قائم نہ رہ سکتی، اور انصاف کو خارج کرنے والا کوئی امن قائم نہ رہ سکتا۔ جب تک جلاوطنوں کا وقار کے ساتھ رہنے کا حق—چاہے واپسی ہو یا تسلیم شدہ تعلق—احترام نہ کیا جائے، جلاوطنی کی جغرافیہ پھیلتی رہے گی، اور صبرا و شاتیلہ کے بھوت ہم سب کے ساتھ چلیں گے۔

حوالہ جات

- Al-Hout, B. N. (2004). **Sabra and Shatila: September 1982**. London: Pluto Press
- .Arens, M. (1982). Statements to the **Washington Post**, June 1982
- Brynen, R. (2022). **Palestinian Refugees in Lebanon**. Beirut: Institute for Palestine Studies
- .Fisk, R. (1990). **Pity the Nation: Lebanon at War**. Oxford University Press
- .Folman, A. (Director). (2008). **Waltz with Bashir** [Film]. Sony Pictures Classics
- General Assembly of the United Nations. (1947). **Resolution 181 (II): Future of Palestine**
- .Government of Palestine
- General Assembly of the United Nations. (1948). **Resolution 194 (III): Palestine - the Refugee Problem**
- .Progress Report of the United Nations Mediator
- General Assembly of the United Nations. (1982). **Resolution 37/123: The Situation in the Middle East**
- International Committee of the Red Cross (ICRC). (1982). **Field Reports on the Lebanon Conflict**. Geneva
- Israeli Government. (1983). **Report of the Commission of Inquiry into the Events at the Refugee Camps in Beirut (Kahan Commission)**. Jerusalem: State of Israel

Khalidi, W. (1992). **All That Remains: The Palestinian Villages Occupied and** ●

.Depopulated by Israel in 1948. Institute for Palestine Studies

.Khoury, E. (2006). **Gate of the Sun.** New York: Archipelago Books ●

Peteet, J. (2005). **Landscape of Hope and Despair: Palestinian Refugee Camps.** ●

.Philadelphia: University of Pennsylvania Press

Security Council of the United Nations. (1982). **Resolutions 508 and 521 (1982):** ●

.Ceasefire and Situation in Lebanon

.Shlaim, A. (2000). **The Iron Wall: Israel and the Arab World.** New York: W. W. Norton ●